’’أماني الأحبار‘‘

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مایہ ناز تصنیف

مولانا عبدالواجد مہمند
متخصص علوم حدیث، جامعہ

دعوت وتبلیغ کے نام سے معروف جماعت (جس نے آج پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا کیا ہے) نہ کسی تعارف کی محتاج، اور نہ اس کے سودمند اور مثمر ہونے میں کسی کو التباس۔ بہت کم مدت میں اس کی کرنیں پوری دنیا میں پھیل گئیں۔ مختلف رنگوں والے، مختلف زبانوں والے، مختلف نسلوں والے قرنِ اول کے اس ہیرے کو اپنے سینے سے لگا کر در بدر، کوچہ بکوچہ، اقلیم باقلیم اللہ کے اس مبارک دین کو زندہ کرنے کے لیے ٹھوکریں کھاتے ملیں گے۔

اس محنت نے اگر ایک طرف گرے پڑے، ہندوانہ رسوم کی سنگلاخ وادیوں میں بھٹکے ہوئے مسلمانوں کی ایمانی کیفیات کو درجۂ احسان تک پہنچایا، تو دوسری طرف اہلِ باطل کے دماغ پر چوٹ لگا کر ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح اگر ایک طرف داعیانِ تثلیث اپنی باطل پرستی سے تائب ہوکر گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے نور سے منور ہو گئے، تو دوسری طرف اہلِ عرب کی غیرت کو بھی للکارا اور (هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا) پکارتے ہوئے اس مبارک فریضے کے لیے کمربستہ ہوئے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

ان تمام ثمرات میں اگر چہ ایک طرف عامۃ المسلمین کی قربانیاں ہیں، تو دوسری طرف خواصِ اُمت (علماء، صلحاء، اہلِ قلوب) کی توجہ اور دعائیں، ان کی تائید وحمایت اور ان کی قربانیوں اور مجاہدات کا بڑا دخل ہے، ان خواصِ اُمت اور علماء ربانیین میں سے ایک شخصیت وہ ہے جن کو آج دنیا ’’حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ‘‘ کے نام سے جانتی ہے، انہوں نے اپنی قربانیوں اور مجاہدوں

سے اس مبارک محنت کو بامِ عروج تک پہنچا دیا، ذیل میں ان کے حالات مختصراً پیش کیے جاتے ہیں:

پیدائش اور بچپن

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰/ مارچ ۱۹۱۷ء بروز بدھ کو پیدا ہوئے۔ حضرت نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، اس میں ہر طرف علم اور تقویٰ کی فضا قائم تھی۔ صبح صبح گھروں سے کلام اللہ کی صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ ایک طرف مولانا کی والدہ ایک معزز خاندان اور صالح بزرگ مولانا رؤوف الحسن صاحب کی صاحبزادی تھیں اور خود بھی ایک خدیجہؓ صفت اور رابعہؒ سیرت خاتون تھیں، دوسری طرف حضرت کے والد بزرگوار حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ دعوت اور شیخ طریقت تھے۔ اپنے اکلوتے فرزندار جمند کی اچھی طرح تربیت کی۔ ہر چھوٹی بڑی بات کا خیال رکھا اور معمولی معمولی غیر اہم غلطیوں پر بھی تنبیہ فرماتے تھے، بطور مشتے نمونہ از خروارے چند واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

۱:-حضرت کاندھلویؒ خود اپنے قریبی دوست سے اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں: ''مولانا الیاسؒ چائے کے موافق نہ تھے، اماں جی والدہ محترمہ ایسے وقت میں چائے بنا کر پلایا کرتی تھیں جس وقت مولانا الیاسؒ ٹہلنے جاتے تھے، اسی درمیان دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی تھی تو چائے کی قیمت میں اضافہ ہوگیا تھا، میں نے خیال کیا کہ اب چائے چھوڑنی چاہیے، میں نے اپنے اس خیال کا اظہار مولانا الیاسؒ کے سامنے کر دیا، اور عرض کیا کہ ہم آئندہ چائے نہیں پییں گے۔ حضرت اس ارادے پر بہت خوش ہوگئے، مگر پوچھا کہ چائے کیوں چھوڑ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ چائے کی قیمت میں اضافہ ہوگیا ہے اور اس کے پیسے آپ ہی کو ادا کرنے ہوتے ہیں، تو کیوں آپ کے بار میں اضافہ کریں؟! اس سوچ پر مولانا الیاسؒ بہت ناراض ہوگئے اور فرمایا: یہ غلط ہے، پیسے کی کمی بیشی پر چائے مت چھوڑو، جو خدا چار آنے دے سکتا ہے، وہ پانچ کا بندوبست بھی کرسکتا ہے۔'' (سوانح یوسفی)

۲:- دوسرا واقعہ بھی خود بیان فرماتے ہیں کہ: ''ایک بار مہمانوں کے لیے اندر سے چائے لایا، جب برتن لے گیا تو ایک چمچی اس میں سے گم ہوگئی تھی، اماں جی نے اس بے خیالی پر ناگواری کا اظہار کیا، اس کے بعد مولانا الیاسؒ بھی گھر تشریف لائے تو اماں جی نے حضرت کے سامنے بھی کہا کہ: یوسف نے چمچی گم کر دی ہے، مولانا الیاسؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا یہ چمچی تمہاری ملکیت تھی کہ تم نے گم کر دی؟ حضرت کی اس دن والی تنبیہ سے میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب یہ میری ملکیت نہیں تو ان چیزوں سے میرا کیا واسطہ؟ اور یہ تأثر آج تک تازہ ہے۔ (سوانح یوسفی)

ایک طرف اگر والدین کی تربیت تھی، تو دوسری طرف مشائخِ وقت اور بزرگوں کی نظریں اور

شفقتیں تھیں ۔ خصوصاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ، ان بزرگوں کی خاص توجہ نے عالی منزل تک پہنچا دیا، خود حضرت مولانا یوسفؒ حضرت سہارنپوریؒ سے ایسے پیش آتے تھے جیسے کوئی لاڈلہ بچہ اپنے مشفق باپ سے، اور حضرت سہارنپوریؒ کو ابا کہہ کر پکارتے تھے ۔ گھر میں ''رحمتی'' نام کی خادمہ تھی جو کھانا پکاتی تھی، ایک دن حضرت کاندھلویؒ مچل گئے اور کہنے لگے: میں تو ابا کی پکائی ہوئی روٹی کھاؤں گا، حضرت سہارنپوریؒ اندر تشریف لے گئے اور فرمایا: میں اپنے بیٹے کے لیے روٹی پکاؤں گا اور بے تکلف روٹی اپنے ہاتھوں سے پکائی اور حضرت یوسفؒ کو کھلائی ۔ (سوانح یوسفی)

والدین کی تربیت اور بزرگوں کی توجہات نے مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کو وہ داعیانہ زندگی عطا کی جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور منور کرنے والی بنی، اور جس نے لاکھوں انسانوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر راہِ راست پر گامزن کیا ۔

تعلیم

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ دس سال کے تھے کہ قرآن کو حفظ کیا ۔ اس کے بعد قاری معین الدین صاحب نے تجوید سکھائی، پھر گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے مدرسہ کاشف العلوم میں عربی پڑھنی شروع کی، اس کے ساتھ ساتھ صَرف کی تقریباً ساری کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں، اور فقہ کی اکثر کتابیں مولانا مقبول حسن گنگوہی صاحبؒ سے پڑھیں ۔ ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا الیاسؒ سفرِ حج پر تشریف لے گئے اور حضرت مولانا یوسفؒ کو مظاہر العلوم سہارنپور بھیج دیا ۔ وہاں ہدایہ، میبذی وغیرہ کتابیں پڑھیں، مولانا الیاسؒ کی واپسی پر پھر نظام الدین آگئے اور مشکوٰۃ، جلالین وغیرہ پڑھیں، ۱۳۵۴ھ میں مولانا الیاسؒ نے صحاحِ اربعہ پڑھنے کے لیے دوبارہ سہارنپور بھیج دیا، لیکن علالت کی وجہ سے سال پورا نہ کر سکے اور دوبارہ نظام الدین آگئے اور باقی ماندہ صحاحِ اربعہ، ابن ماجہ، نسائی، شرح معانی الآثار، مستدرک حاکم اپنے والد صاحب سے پڑھیں ۔

حضرت کاندھلویؒ کے بیانات کے بارے میں اکابرین کے تأثرات

حضرت کاندھلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف وخصوصیات کے ساتھ جوشِ تقریر اور زورِ خطابت بھی خوب عطا فرمایا تھا ۔ حضرت کاندھلویؒ تبلیغی اجتماعات میں گھنٹوں گھنٹوں بولتے اور بے تکان بولتے ۔ تقریر میں مضامین کی ایسی آمد ہوتی کہ علماء تک حیرت زدہ رہ جاتے اور ایسے نکات بیان فرماتے کہ برسوں درس دینے والے بھی مستفید ہوتے تھے ۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ سوانح یوسفی کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:
راقم السطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے ہیں، جو (بلاکسی تنقیص وتحقیر) اس کے ہم وطنوں اور ہم عصروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے۔ دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں مشکل سے کوئی تحریک یا عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں ہے) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف وانہاک، تاثیر کی وسعت اور قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا۔ یوں ان کی نادرہ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے ہیں جن کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس کے بعد آگے لکھتے ہیں کہ: ''ان کی مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجالسِ وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی۔''

اسی طرح حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

عاجز نے پڑھنے کے زمانے میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا اور پڑھانے کے زمانے میں محنت سے پڑھایا۔ ذہن وحافظہ کی نعمت سے بھی اللہ نے محروم نہیں رکھا تھا۔ لکھنا، پڑھنا اور مطالعہ ہی اصل مشغلہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے بعد کسی کے علم سے مرعوب اور متأثر نہ ہوسکا۔ لیکن حضرت مولانا الیاسؒ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی، تو محسوس ہوا کہ اللہ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے جو مدرسہ اور کتب خانے کا علم نہیں ہے۔ ان کے بعد مولانا محمد یوسفؒ کی تقریروں میں بھی صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو عطا ہوا ہے۔ قوتِ بیاں مزید برآں آپ کی تقریروں سے ایمان میں جان پڑتی تھی اور کھلی ہوئی ترقی محسوس ہوتی تھی۔ آپ کی تقریروں کو سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔ (مجموعہ بیانات)

تصنیفی ذوق

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مولانا الیاسؒ کی حیات کی تقریباً پوری مدت علمی اور تصنیفی مشاغل میں منہمک رہے۔ ۱۳۵۴ھ میں جبکہ مولانا ۱۹ربرس کے تھے کہ امام طحاوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی گراں قدر مایہ ناز کتاب ''شرح معاني الآثار'' کی شرح لکھنا شروع کی، جس کا سلسلہ آخری عمر تک رہا، اسی

طرح دوسری تالیف ''حیاۃ الصحابہؓ '' ہے۔ حضرت کاندھلویؒ کے اتنے کثرتِ اسفار اور مشاغل کے باوجود ایسا علمی اور تحقیقی کام یقیناً کرامت سے کم نہیں۔

بینات حضرت یوسف بنوریؒ نمبر میں مولانا شاہد صاحب کا مضمون حضرت شیخ اور تبلیغی کام کے عنوان سے چھپا ہے، اس میں مولانا شاہد صاحب رقم طراز ہیں:

''حضرت محمد یوسف کاندھلویؒ جب بھی کراچی تشریف لاتے تو مولانا محمد یوسف بنوریؒ ان کو مدرسے میں اہتمام سے بلاتے، ان سے بیان کراتے اور دیر تک علیحدگی میں ان سے دل کی باتیں کرتے اور فرماتے: کہ میں اس شخص کے بارے میں حیران ہوں کہ باوجود تبلیغی اسفار اور تدریسی مشاغل کے ''أماني الأحبار'' اور ''حیاۃالصحابةؓ '' جیسی کتب کیسے تصنیف فرمالیں۔''

مولانا تقی عثمانی صاحب ''أماني الأحبار '' پر تبصرہ کرتے ہوتے لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر) کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، ان کی پوری زندگی دعوت وتبلیغ میں گزری اور اپنی ان تھک جدوجہد سے تبلیغی جماعت کا کام چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔ اس جدوجہد میں آپ کو جن متواتر اسفار اور مصروفیات کا سامنا تھا، ان کے پیشِ نظر یہ تصور کرنا بہت مشکل لگتا ہے کہ ان مصروفیات کے عین درمیان وہ شرح حدیث کی تالیف جیسا علمی اور تحقیقی کام کرسکیں گے، جس کے لیے مکمل یکسوئی اور فراغت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے سے کام لیتے ہیں تو ان کے اوقات میں برکت عطا فرماتے ہیں، اور یہ اسی برکت کا ثمرہ ہے کہ آپ نے طحاوی شریف جیسی غیر مخدوم کتاب کی شرح لکھنے کا بیڑا اُٹھایا اور اس کا ایک معتدبہ حصہ جو تفصیلی مباحث پر مشتمل تھا مکمل بھی فرمایا، یہ تالیف درحقیقت مولانا محمد یوسفؒ کے کارناموں میں سے ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے، ایسی کثیر الاسفار اور متنوع الاشغال شخصیت کی طرف سے یہ گراں قدر علمی تالیف بلاشبہ ایک کرامت سے کم نہیں۔'' (تبصرے)

اسی طرح حضرت مولانا کاندھلویؒ کی دوسری تالیف ''حیاۃالصحابةؓ '' ہے، ''حیاۃالصحابةؓ '' کے بارے میں حضرت شیخ زکریاؒ کے شاگرد رشید اور خلیفہ مجاز، مدرسہ عربیہ کے استاذ الحدیث مولانا احسان الحق صاحب (دامت برکاتہم) رقم طراز ہیں: ''اہل علم کی رائے ہے کہ سیرتِ صحابہؓ پر آج تک ایسی جامع مانع کتاب منصۂ شہود پر نہیں آئی۔'' (مقدمہ حیاۃ الصحابہؓ، مترجم)

''أماني الأحبار'' کا تعارف

اس شرح کا مطالعہ کرنے والا اس میں مولانا کی علمیت، وسعتِ مطالعہ اور عمیق نظر کو بخوبی

جان سکتا ہے، مطالعہ کرنے والے کے سامنے زیادہ ضرورت نہیں، لیکن افادۂ عامہ کی خاطر چند امور ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں، جس سے ہر فرد کتاب کے وزن کا اندازہ لگا سکتا ہے:

۱:- سب سے پہلے ہر باب کے شروع میں اس باب کے متعلق اختلاف اور فریقین کے دلائل کا اجمالی ذکر کرتے ہیں، مثلاً: ''باب سؤر الكلب'' کے شروع میں لکھتے ہیں:

''يعنى هل يجوز به الوضوء أم لا؟ وهل هو طاهر أم نجس؟ و بكم يغسل الإناء منه؟ وغرض المصنف بعقد هذاالباب بيان الاختلاف بين الشافعية والأحناف في أنهٗ هل يشترط التسبيع واستعمال التراب فى إحدى الغسلات أم يغسل من ذٰلک كما يغسل من سائر النجاسات وإثبات ما هو الحق عندهٗ، والصواب قال الشيخ ابن العربي فى شرح الترمذي: هٰذا الباب من المهمات يجمع تفريقهٗ و تكثر مسائلهٗ من الحديث المختلف فيه وما تضمن من ألفاظه. و فيه عشر مسائل: الأولٰى النظر فى الكلب: هل هو طاهر أو نجس ، فقال الأئمة الثلاثة وأبو ثور و أبو عبيد وسحنون: هو نجس، وقال مالک: هو طاهر وكذٰلک سائر الحيوانات. وثانية فى ريقه: هو طاهر عند مالک لكنهٗ يأكل النجاسات فقد يقول: إنهٗ نجس الريق لأجل أكله النجاسة. و الثالثة فى اتخاذه: فإن كان من النهي عن اتخاذه فيغلظ عليه بطرده وغسل الإناء وإراقةالماء وإن كان ما أذن فى اتخاذه صار له حكم الهرة. والرابعة إن صلى به: لا إعادة عليه عند أبى القاسم، وقيل: يعيد فى الوقت عند ابن وهب، وقيل: يعيد أبدا على القول بالنجاسة . والخامسة سور الخنزير مثلهٗ: وقال مالک فى المختصر: يتوضأ به. والسادسة: ضعف مالک غسل الإناء من ولوغه وقيل: لأن وجوب الغسل لايظهر فيه لعدم سبب الوجوب لما أذن فى اتخاذه ويحتمل ضعفهٗ لأجل اختلاف الروايات فيه، لأنهٗ لا يتحقق أن غسلهٗ للنجاسة أو العبادة. والسابعة روي فى حديث أبى هريرة رضي الله عنه بغسل الإناء من ولوغ الكلب ثلاثا أو خمسا أو سبعا تفرد به عبدالوهاب وهو ضعيف إلٰى آخر ما ذكر ، انتهٰى مختصرا . ''

۲:- سندِ حدیث کے رجال پر بحث کرتے ہیں اور ان کی توثیق یا تضعیف ائمہ فن کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، مثلاً: پہلے باب کی پہلی حدیث کے راویوں پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(الحجاج بن المنهال) بكسر الجيم وسكون نون الأنماطي أبو محمد السلمي وقيل: البرساني مولاهم البصري من رواةالستة، قال ابن سعد والنسائي ثقة، وقال أحمد: ثقة ما أرى به بأسا، وقال أبو حاتم: ثقة فاضل، وقال العجلي: ثقة رجل صالح، وقال الفلاس: ما رأيت مثلهٗ فضلاً ودينًا، وقال ابن قانع: ثقة مأمون، وقال

ابن مندة: كان من خيار المسلمين، مات في شوال سنة سبع عشر ومائتين۔ ‘‘

۳:- جو متون امام طحاویؒ نے ذکر کیے ہیں، اگر یہی متون دوسرے ائمہ حدیث سے کسی زیادتی کے ساتھ منقول ہوں تو ان کو بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً: اس حدیث ’’لا يبولن أحدكم في الماء الراكد ولايغتسل فيه‘‘ کی تشریح میں لکھتے ہیں: ’’زاد فيه أبو داؤد: من الجنابة۔ ‘‘

۴:- جو احادیث امام طحاویؒ ذکر کرتے ہیں، ان احادیث سے جو مسائل مستنبط ہیں اور امام طحاویؒ ان کے درپے نہیں ہوئے، ایسے مسائل کو بھی اختلاف اور دلائل سمیت لاتے ہیں، مثلاً: ’’باب فرض مسح الرأس في الوضوء‘‘ میں ’’كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فتوضأ للصلوات فمسح على عمامته .....‘‘ کے تحت لکھتے ہیں:

’’وفي الحديث المسح على العمامة وقد اختلف في ذٰلک فذهب إلٰى جوازه الأوزاعي والثوري في رواية عنه وأحمد وإسحاق وأبو ثور والطبري وابن خزيمة وابن المنذر وغيرهم، كذا في الفتح، وقال الترمذي: وهو قول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم منهم: أبوبكر وعمر وأنس (رضوان الله تعالٰى عليهم أجمعين) انتهٰى، واحتجو في ذٰلک بحديث الباب وبحديث عمرو بن أمية الضمري قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على عمامته وخفيه، رواه أحمد والبخاري وابن ماجة وبحديث بلالؓ قال مسح رسول الله صلى الله عليه وسلم على الخفين والخمار، وفي الباب أيضا عن سليمان وثوبان وأبي أمامة وأبي موسٰى وغيرهم كما ذكر ذٰلک الشوكاني في النيل مفصله، وذهب الجمهور كما قاله الحافظ في الفتح إلٰى عدم جواز الاقتصار على مسح العمامة ونسبه المهدي في البحر إلى الكثير من العلماء، كذا في النيل، قال الترمذي: وقال غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لا يمسح على العمامة إلا أن يمسح برأسه على العمامة وهو قول سفيان الثوري ومالک ابن أنس وابن المبارک و الشافعي، انتهى. وإليه ذهب أيضا الإمام أبو حنيفة وأصحابه والحسن بن صالح .....الخ۔ ‘‘

۵:- امام طحاویؒ کے کلام کی تلخیص کرتے ہیں، جیسے: ’’باب أكل ما غيرت النار‘‘ کے آخر میں لکھتے ہیں:

’’والحاصل أن روايات الوضوء من أكل لحوم الإبل محمولة على الوضوء اللغوي وهو غسل اليد والفم لما في لحوم الإبل من رائحة كريهة ودسومة غليظة، فكانت

أولٰی بـالغسل من غيرها كلحوم الغنم ، قال زين العرب: تأولوا الحديث على غسل اليـديـن والـفم للنظافة كما روي أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم تمضمض من اللبن، وقال: إنهٗ لهٗ دسما، وخص لحم الإبل لشدة زهومته ، انتهٰی.''

۶:-باب کی متعلقہ احادیث کی تخریج کرتے ہیں، جیسے: ''بـاب مسح الـفـرج '' کی پہلی حدیث کی تخریج کی ہے:

''وأخرجه النسائي من طريق شعبة عن معمر عن الزهري عن عروة عن بسرة أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إذا أفضى أحدكم بيدهٖ إلٰی فرجهٖ فليتوضأ . ''

۷:-باب میں جوموقوف احادیث ہیں ان کی تخریج کرتے ہیں، جیسے: پہلے باب کی ایک حدیث جوحضرت علی رضی اللہ عنہ پرموقوف ہے: ''عـن عـلـيؓ قــال: إذا سـقـطـت الـفــارة أو الـدابة فـی البير..... ''اس کے تحت لکھتے ہیں:

''وقـال الـعـلامة ابن عابدين فی هوامش البحر عن النهاية أن شيخ الإسلام ذكر فـي مبسـوطهٖ: إن السنة جاء ت فی رواية أنس بن مالك (رضـي اللّٰہ عنه) عن الـنبـي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنهٗ قال في الفارة: إذا وقعت البير فماتت فيها ينزح منها عشرون دلوا أو ثلاثون، هٰكذا أبو علي السمرقندي بإسنادهٖ.''

۸:-غریب الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق کرتے ہیں، مثلاً: ''بـاب سؤر الـكلب '' میں ''إذا ولغ الكلب'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''إذا ولـغ وهـو مـعـروف في اللغة يقال: ولغ يلغ بالفتح فيهما إذا شرب بطرف لسـانـهٖ أو أدخـل لسـانـهٖ فيـه فـحركهٗ وقال ثعلب: هو أن يدخل لسانهٗ فی الماء وغيـرهٖ مـن كـل مائع فيحركهٗ . زاد ابن دستورية شرب أو لم يشرب. وقال ابن مكي: إن كان غيرمائع يقال لعقهٗ الخ . ''

انتقال پرملال

حضرت کاندھلویؒ اپنی عمر کی ۴۸ بہاریں دیکھ کر بالآخر ۶؍اپریل ۱۹۶۵ء کو بروز جمعہ ۲ بج کر ۵۰ منٹ پر اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئے اور لافانی خدمات کرنے والی عظیم شخصیت کی زندگی کا آفتابِ تاباں غروب ہوا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....